Al-Kashaf (Journal of Social Sciences) (Miscellaneous)
Volume: 04, No: 04. October – December 2024
ISSN: 2790-8798; E-ISSN: 2790-8801

تفسیری ادب میں مسلم اقلیتوں کے حقوق کا فقہی مطالعہ

A Jurisprudential Study of the Rights of Muslim Minorities in Tafsir Literature

Dr. Muhammad Riaz Mahmood *

** Associate Professor, Department of Islamic Thought, History and Culture, Allama Iqbal Open University, Islamabad.*

KEYWORDS

Coexistence, Islam, Jurisprudential Principles, Muslim Minorities, Qur'anic Verses, Rights, Tafsir Literature.

ABSTRACT

This research article presents a jurisprudential study of the rights of Muslim minorities within the domain of Tafsir literature. It explores how classical and contemporary Qur'anic commentators have addressed the legal and social status of Muslims living under non Muslim rule. The study begins by tracing the historical emergence of minority fiqh as a distinct discipline, highlighting the shift from classical paradigms of territorial division to modern realities of Muslim diaspora communities. Key Qur'anic verses regarding justice, covenant, peaceful coexistence, and religious freedom are examined through the lens of major exegetes such as Imam Tabari,Imam Qurtubi,Imam Ibn Kathir, and modern interpreters like Dr. Rashid Rida and Sayyid Qutb Shaheed. The research identifies core jurisprudential principles including the obligation to obey non Muslim laws as long as religious practice remains possible, the concept of dar al-aman abode of safety, the permissibility of non Muslim citizenship, and the suspension of certain ritual duties under duress. It further analyzes how commentators interpret verses on loyalty walayah, migration hijrah, and protection of places of worship. The article concludes that exegetical tradition offers a flexible, context sensitive framework that balances religious identity preservation with civic integration. While classical rulings often assumed Muslim political dominance, contemporary exegesis has evolved to address minority challenges such as usury, inheritance, dietary laws, and participation in non Muslim political systems. The study emphasizes that human dignity, contractual ethics, and avoidance of harm represent the spiritual backbone of minority rights in Islam. Ultimately, the exegetical heritage provides not rigid answers but methodological tools for deriving contextually relevant legal opinions that safeguard Muslim faith while honoring citizenship commitments.

ا۔ موضوع تحقیق کا تعارف، اہمیت اور پس منظر

قرآن کا علم مسلمانوں کے لیے ہمیشہ سے راہ نمائی کا بنیادی ماخذ رہا ہے۔ جب بھی امت کے سامنے کوئی نیا معاشرتی یا قانونی مسئلہ آتا ہے تو فقہاء اور مفسرین سب سے پہلے کتاب اللہ کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ آج دنیا بھر میں مسلمانوں کی ایک بڑی تعداد ان ممالک میں رہتی ہے جہاں وہ اقلیت میں ہیں۔ یہ صورت حال خصوصاً یورپ، امریکہ، بھارت اور افریقہ کے مختلف ممالک میں واضح نظر آتی ہے۔ ان مسلمانوں کے سامنے جو مسائل پیش آتے ہیں وہ کلاسیکی فقہ کی کتب میں مذکور اکثر احکام سے مختلف نوعیت رکھتے ہیں۔ قدیم فقہاء نے عام طور پر دو حالتیں پیش نظر رکھی تھیں۔ یا تو مسلمان حکمران ہیں اور دارالاسلام میں رہتے ہیں یا وہ دارالحرب میں ہیں جہاں ان کے ساتھ جنگ کی جاتی ہے۔[1] لیکن آج کی دنیا میں تیسرا اور زیادہ پیچیدہ روپ سامنے آیا ہے جہاں مسلمان غیر مسلم

---

[1] خورشید احمد ندیم، جدید قومی ریاست کا تصور اور فکر اسلامی (اسلام آباد: علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، مقالہ: پی ایچ ڈی علوم اسلامیہ، 2023ء)، ص:78۔

*Corresponding Author: Dr. Muhammad Riaz Mahmood
Email Address: *riaz.mahmood@aiou.edu.pk*

حکومتوں کے شہری ہیں، انہی شہریوں کی طرح حقوق رکھتے ہیں اور وطن سے محبت رکھتے ہوئے اپنے دین پر بھی قائم رہنا چاہتے ہیں۔ اس نئے منظر نامے نے علمائے کرام کے لیے قرآن و سنت کی نہایت گہری اور نئے سرے سے تشریح کی ضرورت پیدا کر دی ہے۔

عصر حاضر میں مسلم اقلیتیں شدید فکری کشمکش کا شکار ہیں۔ ایک طرف وہ اپنی اسلامی شناخت کو قائم رکھنا چاہتے ہیں تو دوسری طرف وہ معاشرے میں بطور شہری اپنی ذمہ داریاں ادا کرتے ہیں۔ پس منظر میں یہ بات اہم ہے کہ مفسرین نے ہمیشہ اپنے دور کے سماجی حالات کو پیش نظر رکھا ہے۔ امام طبریؒ نے اپنی جامع تفسیر میں جہاں جنگ و جہاد کے احکام بیان کیے ہیں وہیں انہوں نے ان لوگوں کے بارے میں بھی تفصیل سے گفتگو کی ہے جو دشمن مملکت میں رہتے ہوئے اپنا دین مخفی رکھیں۔ امام قرطبیؒ نے "احکام القرآن" میں عہد و پیمان اور ذمیوں کے حقوق کو بڑی تفصیل سے پیش کیا ہے جن سے اقلیتی حقوق کے حوالے سے رہنمائی ملتی ہے۔ علامہ ابن کثیر نے اپنی تفسیر میں ان آیات کی تشریح کی ہے جن میں دوسرے مذاہب کے ماننے والوں کے ساتھ حسن سلوک کی تلقین کی گئی ہے۔ جدید دور میں مفتی محمد عبدہؒ، ڈاکٹر رشید رضاؒ، سید قطب شہیدؒ اور سید ابو الاعلیٰ مودودیؒ جیسے مفسرین نے اقلیتی مسلمانوں کے مسائل کو براہ راست تو نہیں اٹھایا مگر ان کے تفسیری اصول اس سلسلے میں راہنمائی فراہم کرتے ہیں۔ اس تحقیق کا بنیادی مقصد یہ ہے کہ تفسیری ادب کو فقہی زاویے سے پڑھتے ہوئے ان اصولوں کو دریافت کیا جائے جو مسلم اقلیتوں کے لیے حقوق کا ایک مربوط نظام پیش کر سکیں۔

1. اقلیتوں سے متعلق فقہی تصورات کا تفسیری پس منظر

کلاسیکی اسلامی فقہ میں اقلیت کا تصور موجودہ دور کے تصور اقلیت سے کافی مختلف تھا۔ فقہا نے دنیا کو دو بڑے حصوں میں تقسیم کیا تھا۔ دارالاسلام جہاں مسلمانوں کا قانون نافذ ہوتا ہے اور دارالحرب جہاں غیر مسلم حکمران ہیں اور مسلمانوں کے ساتھ دشمنی کی جاتی ہے۔ ان دو تقسیمات کے درمیان ایک درمیانی حیثیت دارالصلح یا دارالامان بھی تھی جہاں مسلمان عارضی طور پر امن کی شرائط پر رہ سکتے تھے۔ لیکن آج کی مسلم اقلیتیں ان میں سے کسی بھی زمرے میں مکمل طور پر منطبق نہیں ہوتیں۔ ان ممالک میں جہاں وہ رہتے ہیں ان کے ساتھ جنگ نہیں ہوتی بلکہ وہ مساوی شہری ہوتے ہیں۔ چنانچہ تفسیری ادب میں جب ان آیات کا مطالعہ کیا جاتا ہے جن کا تعلق کفار سے قائم ہونے والے تعلقات، ہجرت، جہاد اور بیعت سے ہے تو انہیں موجودہ تناظر میں سمجھنے کی ضرورت محسوس ہوتی ہے۔

قرآن مجید کے احکام کی تعبیر وقت اور حالات کے ساتھ بدلتی ہے مگر اس کے بنیادی مقاصد ہمیشہ قائم رہتے ہیں۔[2] ان مقاصد میں سب سے اہم انسانی عزت کا تحفظ، جان و مال کی حفاظت، دین کی آزادی اور عدل کا قیام ہے۔ جب یہ مقاصد کسی غیر مسلم معاشرے میں بھی موجود ہوں تو مسلمانوں کے لیے وہاں رہنا نہ صرف جائز ہے بلکہ بعض اوقات ضروری بھی ہو سکتا ہے تاکہ وہ اپنی موجودگی سے اسلام کے حقیقی چہرے کو پیش کر سکیں۔[3] سورۃ الممتحنۃ کی آیت نمبر 8 اور 9 میں اللہ تعالیٰ نے واضح کیا ہے کہ جن لوگوں نے تم سے دین کے معاملے میں جنگ نہیں کی اور نہ تمہیں تمہارے گھروں سے نکالا ہے ان کے ساتھ نیکی اور انصاف کرنا منع نہیں ہے۔[4] اس آیت کی تفسیر میں مفسرین نے بڑی خوب صورت وضاحت کی ہے۔ امام طبریؒ نے اپنی تفسیر میں روایت کیا ہے کہ یہ آیت ان غیر مسلموں کے بارے میں نازل ہوئی جو مسلمانوں کے ساتھ معاہدے پر تھے اور انہوں نے کوئی دشمنی نہیں کی۔[5] علامہ آلوسیؒ نے "روح المعانی" میں لکھا ہے کہ اس آیت نے مسلمانوں کے لیے ایک بڑا فقہی اصول قائم کر دیا کہ محض مختلف الایمان ہونا کسی سے بغض رکھنے اور ناانصافی کرنے کی دلیل نہیں بن سکتا۔[6] یہی اصول آج کے اقلیتی مسلمانوں کے لیے بنیادی حیثیت رکھتا ہے۔ وہ ان ممالک کے شہری ہیں جہاں ان کے ساتھ غیر مسلم ہم وطن بھی رہتے ہیں، انہی کے ساتھ مل کر معاشرہ تعمیر کرتے ہیں اور اس معاشرے کی خوش حالی کے لیے اپنا کردار ادا کرتے ہیں۔

قدیم فقہی لٹریچر میں ذمی اس غیر مسلم کو کہا جاتا تھا جو اسلامی ریاست میں رہتا تھا اور جزیہ دیتا تھا۔ بدلے میں اسے اپنے دین پر عمل کرنے کی آزادی اور جان و مال کی حفاظت کی ضمانت ملتی تھی۔ اگرچہ یہ تصور آج کی ریاستوں میں بہت سی تبدیلیوں کے ساتھ موجود ہے لیکن اس کی روح یعنی عدل و امن اور باہمی ذمہ داریوں کا تصور آج بھی اہم ہے۔ جب مفسرین نے سورۃ التوبۃ کی آیت نمبر 29 کی تفسیر کی،[7] تو انہوں نے اس شرط پر زور دیا کہ جزیہ صرف اس صورت میں لیا جاتا ہے جب غیر مسلم اپنی مرضی سے اسلامی ریاست میں رہنا چاہیں اور ان کی حفاظت کی ذمہ داری ریاست پر ہو۔ لیکن جہاں مسلمان اقلیت میں ہوں اور غیر مسلم حکومت انہیں تحفظ دے رہی ہو تو وہاں یہ تصور الٹ جاتا ہے۔ بعض جدید مفسرین نے یہاں تک کہا ہے کہ ایسی صورت میں

---

[2] التمیمی، عبدالرحمٰن بن حسن بن محمد، المطلب الحمید فی بیان مقاصد التوحید (دار الھدایۃ للطباعۃ والنشر والترجمۃ، 1411ھ)، ج:ص:5-20۔

[3] یوسف القرضاوی، اسلامی معاشرے میں غیر مسلموں کے حقوق و فرائض (اسلام آباد: ادارہ تحقیقات اسلامی، 2011ء)، ص:1-142۔

[4] الممتحنۃ60:8-9۔

[5] الطبری، محمد بن جریر بن یزید، جامع البیان فی تأویل القرآن (القاھرۃ: مرکز البحوث والدراسات العربیۃ والاسلامیۃ، 1422ھ)، ج:22، ص:571-575۔

[6] الألوسی، شھاب الدین محمود، روح المعانی فی تفسیر القرآن العظیم والسبع المثانی (بیروت: دارالکتب العلمیۃ، 1415ھ)، ج:14، ص:259۔

[7] نفس المرجع، ج:5، ص:237۔

مسلمانوں پر بھی اسی طرح ٹیکس ادا کرنا اور قوانین کی پابندی کرنا لازم ہے جیسا کہ دوسرے شہری کرتے ہیں اور یہ ان کا قومی فریضہ ہے۔[8]

2. ہجرت کے حکم کی تفسیری و فقہی تعبیر

اقلیتی مسلمانوں کے سامنے سب سے بڑا سوال ہجرت کا ہے۔ کیا ہر مسلمان کے لیے ایسی جگہ ہجرت کرنا واجب ہے جہاں وہ اپنے دین پر آزادانہ طور پر عمل کر سکے؟ کیا مسلم اقلیتوں کا غیر مسلم ممالک میں رہنا جائز ہے؟ ان سوالات کے جوابات کے لیے تفسیری ادب میں سورۃ النساء کی آیت نمبر 97 سے 100 کا مطالعہ نہایت ضروری ہے۔[9] ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کے بارے میں شدید وعید سنائی ہے جو اپنی جانوں پر ظلم کرتے ہوئے ایسی جگہ رہے جہاں وہ دین پر عمل نہ کر سکیں حالانکہ ہجرت کی استطاعت رکھتے تھے۔[10] مفسرین نے ان آیات کی تشریح میں یہ اہم نکتہ بیان کیا ہے کہ ہجرت کا حکم اس وقت واجب ہوتا ہے جب کوئی مسلمان اپنے دین پر عمل کرنے سے مکمل طور پر عاجز آ جائے اور اسے اپنے ایمان کو چھپانا پڑے اور اسے ستایا جائے۔ علامہ ابن کثیرؒ نے اپنی تفسیر "القرآن العظیم" میں صحابہ کرامؓ کے واقعات نقل کیے ہیں کہ جب تک مکہ میں مسلمانوں کو ستایا جاتا رہا تب تک ہجرت کا حکم تھا لیکن جب فتح مکہ ہو گئی تو پھر ہجرت کا واجب ہونا ختم ہو گیا۔[11] امام شوکانیؒ نے "فتح القدیر" میں لکھا ہے کہ اس آیت میں جس عجز و بے بسی کا ذکر ہے وہ محض بعض رسومات یا عبادات میں مشکل کی وجہ سے نہیں ہوتی بلکہ اس کا تعلق بنیادی ایمانی امور سے ہے۔ اگر کوئی مسلمان اپنی جان یا اپنے بچوں کے ایمان کے بارے میں شدید خطرہ محسوس کرے تو اس پر ہجرت لازم ہو جاتی ہے ورنہ نہیں۔[12] یہی بات موجودہ مسلم اقلیتوں کے لیے بہت اہمیت رکھتی ہے۔

آج کے مغربی اور غیر مسلم معاشروں میں مسلمان عموماً اپنی نماز، روزہ، زکوٰۃ اور حج جیسی عبادات بآسانی انجام دے سکتے ہیں۔ مساجد کھلے عام بن سکتی ہیں، حلال خوراک دستیاب ہے اور اسلامی تعلیمات کے لیے اسکول بھی موجود ہیں۔ ظاہر ہے کہ ایسی صورت حال میں ہجرت کا حکم باقی نہیں رہتا۔ بلکہ جدید مفسرین نے ایک قدم اور آگے بڑھ کر کہا ہے کہ بعض حالات میں ہجرت نہ کرنا ہی افضل ہو سکتا ہے۔ جیسے اگر مسلمانوں کا ایک گروہ کسی غیر مسلم ملک میں رہتے ہوئے دین کی خدمت کر سکتا ہے، لوگوں کو اسلام کی دعوت دے سکتا ہے اور اسلام کا صحیح چہرہ پیش کر سکتا ہے تو یہاں رہنا باعث خیر ہے۔[13] مولانا مودودیؒ نے "تفہیم

---

[8] رشید بن علی رضا،المنار(مصر:الھیئۃ المصریۃ العامۃ للکتاب،1990ء)،ج:10،ص:133۔

[9] النساء 4 : 97-100۔

[10] القنوجی،ابو الطیب محمد صدیق خان،فتح البیان فی مقاصد القرآن (بیرور:المکتبۃ العصریۃ للطباعۃ والنشر،1412ھ)،ج:3،ص:217،216،215،214۔

[11] ابن کثیر،ابوالفداء اسماعیل بن عمر،تفسیر القرآن العظیم(دار طیبۃ للنشر والتوزیع،1420ھ)،ج:2،ص:388۔

[12] الشوکانی،محمد بن علی بن محمد ،فتح القدیر(بیروت:دار ابن کثیر،1414ھ)،ج:1 ،ص:582۔

[13] ابی زھرۃ،محمد بن احمد بن مصطفیٰ(دارالفکر العربی)،ج:4،ص:1817۔

القرآن" میں اس طرف توجہ دلائی ہے کہ ہجرت کا اصل مقصد دین کے لیے راستہ تلاش کرنا ہے نہ کہ صرف جگہ بدلنا۔ اگر مسلمان اسی ملک میں رہ کر دین کے لیے ساز گار حالات پیدا کر سکتے ہیں تو پھر فرار کی بجائے جدوجہد ان کا دینی فریضہ ہے۔[14] ہجرت سے متعلق آیات کی تفسیر میں ایک اور پہلو یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے زمین کو وسیع قرار دیا ہے۔ یہ کسی خاص ملک سے وابستگی کی نفی نہیں بلکہ اس سے مراد یہ ہے کہ اگر کسی جگہ دین پر عمل کرنا ناممکن ہو جائے تو مسلمانوں کو دوسری جگہوں کی طرف رخ کرنا چاہیے۔[15] امام قرطبیؒ نے اس موقع پر ایک بہت اہم فقہی قاعدہ بیان کیا ہے کہ اضطرار کی حالت میں جو چیزیں حرام ہوتی ہیں وہ حلال ہو جاتی ہیں اور ہجرت ترک کرنا بھی اگر کسی کے لیے جان کا خطرہ ہو تو وہ ترک کر سکتا ہے۔[16] یہ قاعدہ اقلیتی مسلمانوں کو یہ سمجھنے میں مدد دیتا ہے کہ جہاں وہ اپنی زندگیاں بآسانی گزار سکتے ہیں اور اپنے دین پر عمل کر سکتے ہیں وہاں ان پر ہجرت کا کوئی حکم عائد نہیں ہوتا۔

3. غیر مسلم حکمرانوں کی اطاعت

مسلم اقلیتوں کے لیے ایک بڑا فکری مسئلہ یہ بھی ہے کہ جب وہ کسی غیر مسلم ملک میں رہ رہے ہوں تو کیا ان کے لیے اس ملک کے قوانین ماننا اور حکمرانوں کی اطاعت کرنا جائز ہے؟ قرآن مجید میں سورۃ النساء کی آیت نمبر 59 میں مسلمانوں کو حکم دیا گیا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ اور رسول اکرم ﷺ کی اطاعت کریں اور ان میں سے جو صاحبان امر ہیں ان کی بھی اطاعت کریں۔[17] اس آیت کی تفسیر میں مفسرین نے صاحبان امر سے کون لوگ مراد ہیں اس پر طویل بحث کی ہے۔ جمہور مفسرین کے نزدیک صاحبان امر سے مراد مسلمان حکمران اور علماء ہیں لیکن کیا یہ حکم صرف مسلم حکمرانوں کے لیے خاص ہے؟ امام رازیؒ نے "مفاتیح الغیب" میں یہ رائے دی ہے کہ اطاعت کا حکم ہر اس حکمران کو دیا گیا ہے جو عدل قائم کرتا ہو خواہ وہ مسلمان ہو یا غیر مسلم۔[18] انہوں نے حضرت یوسف علیہ السلام کی مثال دی جو ایک غیر مسلم بادشاہ کے ماتحت ملک کے خزانوں کے متولی بنے اور انہوں نے اس بادشاہ کے قانون کے اندر رہ کر ملک میں انصاف اور خوش حالی قائم کی۔ علامہ آلوسیؒ نے "روح المعانی" میں اس نکتے کو مزید واضح کیا ہے کہ اطاعت کا تعلق اس وقت تک ہے جب تک حکمران اللہ کی نافرمانی کا حکم نہ دیں۔ چنانچہ اگر کوئی غیر مسلم حکمران مسلمانوں کو ان کے دین سے روکے، انہیں ان کی عبادات سے باز رکھے یا انہیں حرام کاموں پر مجبور کرے تو ایسی صورت میں اطاعت نہ کرنا لازم ہے۔ لیکن عام معاملات

---

[14] مودودی، سید ابوالاعلیٰ، تفہیم القرآن (لاہور: ادارہ ترجمان القرآن)، ج:1، ص:316-388۔

[15] النساء 4 : 100۔

[16] قرطبی، ابو عبداللہ محمد بن أحمد بن أبی بکر، الجامع لأحکام القرآن (القاہرۃ: دارالکتب المصریۃ، 1384ھ)، ج:5، ص:347۔

[17] النساء 4 :59۔

[18] الرازی، أبو عبد اللہ محمد بن عمر، مفاتیح الغیب (بیروت: داراحیاء التراث العربی، 1420ھ)، ج:10، ص:112۔

میں جہاں قوانین سب پر یکساں لاگو ہوتے ہیں اور ان میں شرعی طور پر کوئی قباحت نہیں ہوتی، وہاں مسلمانوں کے لیے ان قوانین کی پابندی کرنا ضروری ہے۔ یہی تصور بیعت کے بارے میں بھی ہے۔

قدیم فقہی لٹریچر میں بیعت کا لفظ عام طور پر کسی مسلمان خلیفہ یا حاکم کے ہاتھ پر ہاتھ رکھنے کے لیے استعمال ہوتا تھا۔ لیکن آج کے دور میں جب مسلمان کسی غیر مسلم ملک کی شہریت قبول کرتے ہیں تو وہ دراصل اسی ملک کے آئین اور قوانین سے وفاداری کا عہد کرتے ہیں۔ سورۃ المائدہ کی آیت نمبر 1 میں اللہ تعالیٰ نے عہد وپیمان کی پاس داری کا عام حکم دیا ہے اور اس میں کوئی شرط نہیں رکھی کہ یہ عہد صرف مسلمانوں سے ہو۔[19] مفسرین نے اس آیت کی تفسیر میں یہ اصول بیان کیا ہے کہ ہر قسم کے معاہدے اور عہد کی پابندی واجب ہے جب تک کہ اس میں کوئی حرام چیز لازم نہ آتی ہو۔[20] جب کوئی مسلمان کسی غیر مسلم ملک کی شہریت قبول کرتا ہے تو وہ در حقیقت ایک سماجی معاہدہ کرتا ہے جس کے تحت اس ملک کے قوانین کی پابندی کرے گا اور بدلے میں حکومت اس کے جان ومال اور دین کی آزادی کی حفاظت کرے گی۔ یہ معاہدہ دونوں طرف سے لازم ہے۔ علامہ ابن عاشورؒ نے "التحریر والتنویر" میں اس نکتے کو بڑی تفصیل سے پیش کیا ہے کہ وطن سے محبت اور اس کے قوانین کی پابندی قرآن مجید کے ان اصولوں میں شامل ہے جو انسان کو امن وسکون کی زندگی گزارنے میں مدد دیتے ہیں۔ انہوں نے سورۃ قریش کی تفسیر میں بتایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قریش کو ان کے وطن کی حفاظت اور تجارت کے ذریعے رزق عطا کیا تھا اور ان پر احسان کیا تھا تو انہیں اسی وطن کی شکر گزاری کرنی چاہیے تھی۔[21] اسی طرح آج کے مسلمان بھی جس ملک میں رہتے ہیں اگر وہاں انہیں تحفظ اور مواقع مل رہے ہیں تو ان پر یہ لازم ہے کہ وہ اس ملک کے وفادار شہری رہیں اور اس کی خوش حالی میں اپنا حصہ ڈالیں۔ تفسیری اصول بتاتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی حاکمیت کا مطلب یہ ہے کہ انسان اپنی زندگی کے بنیادی دینی معاملات میں اللہ تعالیٰ کے احکام کی پیروی کرے۔ جہاں تک معاشرتی اور سیاسی قوانین کا تعلق ہے تو قرآن مجید نے واضح کیا ہے کہ لوگوں کو اپنے معاملات آپس کے مشورے سے چلانے چاہئیں جب تک کہ وہ صریح حرام میں نہ پڑیں۔

4. عدل کا فریضہ اور غیر مسلم معاشرے میں مسلم اقلیت کا کردار

قرآن مجید نے عدل کو ایک ایسا فریضہ قرار دیا ہے جو کسی خاص قوم یا مذہب کے ساتھ مخصوص نہیں بلکہ یہ تمام انسانوں کے ساتھ معاملات میں لازم ہے۔ سورۃ المائدۃ کی آیت نمبر 8 میں اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو حکم دیتے ہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کے لیے صراط مستقیم پر

---

[19] المائدة 5 : 1-

[20] الرازی،مفاتیح الغیب ،ج:11،ص:276-

[21] ابن عاشور،محمد الطاهر بن محمد ،التحریر والتنویر(تونس:الدار التونسیة للنشر،1984ھ)،ج:6،ص:74-

قائم رہنے والے اور انصاف کرنے والے بنیں اور کسی قوم کی دشمنی انہیں اس بات پر آمادہ نہ کرے کہ وہ انصاف نہ کریں۔[22] اس آیت کی تفسیر میں مفسرین نے یہ نہایت اہم نکتہ نکالا ہے کہ عدل میں کسی قسم کی رعایت جائز نہیں ہے خواہ مخاطب مسلمان ہو یا غیر مسلم، دوست ہو یا دشمن۔ امام قرطبیؒ نے "احکام القرآن" میں اس آیت کے تحت ایک طویل بحث کی ہے اور یہ نتیجہ اخذ کیا ہے کہ اسلام نے عدل کو اتنا بلند مقام دیا ہے کہ بعض صورتوں میں جہاد سے بھی اس کو فوقیت حاصل ہے۔[23] اگر ایک مسلمان حکومت اپنے غیر مسلم شہریوں کے ساتھ ناانصافی کرے تو یہ زیادہ بڑا گناہ ہے۔ اسی طرح ایک مسلم اقلیت کے لیے یہ ضروری ہے کہ وہ جس معاشرے میں رہتی ہے وہاں ہر فرد کے ساتھ عدل کا برتاؤ کرے۔ یہاں تک کہ اگر ان کے ساتھ کوئی ناانصافی ہو رہی ہو تو بھی انہیں اپنے دشمنوں کے ساتھ بھی عدل سے کام لینا چاہیے کیونکہ قرآن مجید نے یہی حکم دیا ہے۔ سورۃ النساء کی آیت نمبر 135 میں اللہ نے عدل کی گواہی دینے کا حکم دیا ہے خواہ وہ خود انسان کے اپنے خلاف ہو یا اس کے والدین یا رشتہ داروں کے خلاف۔[24] اس آیت کی تفسیر میں امام بغویؒ نے کہا ہے کہ عدل میں کسی بھی قسم کی جذباتیت یا خاندانی دباؤ کو دخل نہیں ہونا چاہیے۔[25]

عصر حاضر میں جب بعض ممالک میں مسلمانوں کے خلاف تعصب اور نفرت کے واقعات پیش آتے ہیں تو مسلم اقلیتوں کا کردار انتہائی اہم ہو جاتا ہے۔ اگر وہ بھی اسی طرح کا ردعمل ظاہر کریں اور اپنے غیر مسلم ہم وطنوں کے ساتھ ناانصافی کریں تو یہ نہ صرف ان کے دینی اصولوں کے خلاف ہو گا بلکہ ان کی موجودگی کو مزید مشکوک بنا دے گا۔ اس کے برعکس اگر وہ ہر صورت میں عدل پر قائم رہیں، اپنے پڑوسیوں کے ساتھ حسن سلوک کریں اور معاشرتی برائیوں کے خلاف آواز اٹھائیں تو یہ ان کا سب سے بڑا اثبات ہو گا کہ وہ اس معاشرے کے لیے باعث رحمت ہیں۔ سورۃ الحجرات کی آیت نمبر 13 میں اللہ تعالیٰ نے لوگوں کو قبائل اور قوموں میں تقسیم کرنے کا مقصد صرف تعارف قرار دیا ہے نہ کہ تفاخر یا جھگڑے۔[26] مفسرین اس آیت سے یہ سبق لیتے ہیں کہ انسانوں کا مختلف رنگ و نسل اور مذاہب میں ہونا اللہ تعالیٰ کی نشانی ہے اور اس میں حکمت ہے۔[27] لہٰذا مسلم اقلیتوں کو چاہیے کہ وہ اس تنوع کو قدر کی نگاہ سے دیکھیں اور اپنی منفرد شناخت کو قائم رکھتے ہوئے قومی یکجہتی کو بھی مضبوط کریں۔ یہ توازن بہت اہم ہے، تفسیری ادب میں موجود عدل کے اصول اس ضمن میں راہ نمائی فراہم کرتے ہیں۔ عدل کا مطلب یہ نہیں کہ مسلمان اپنی دینی شناخت کو ختم کر دیں بلکہ ان کا دین ہی انہیں ہر حال میں انصاف کرنے کا حکم دیتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ تاریخ میں جب بھی مسلمان

---

[22] المائدة 5 : 8-

[23] القرطبی، الجامع لأحکام القرآن، ج:5،ص:48-

[24] النساء 4 : 135-

[25] البغوی،ابو محمد الحیسن بن مسعود،معالم التنزیل فی تفسیر القرآن (بیروت:داراحیاء التراث العربی،1420ھ)، ج:1،ص:572-

[26] الحجرات 49 : 13-

[27] الکیا الھراسی،أحکام القرآن(بیروت:دارالکتب العلمیة،1405ھ)، ج:4،ص:384-

اقلیت میں رہے تو اکثر انہیں ایماندار تاجر، منصف قاضی اور قابل ڈاکٹر کے طور پر جانا گیا۔ ان کی دیانت داری اور انصاف پسندی نے انہیں معاشرے میں عزت کی نگاہ سے دیکھا۔ اس لیے آج بھی اس اصول پر عمل کرتے ہوئے مسلم اقلیتوں کو چاہیے کہ وہ ہر معاملے میں عدل کو مقدم رکھیں اور کسی بھی قسم کے ظلم یا زیادتی کے خلاف آواز اٹھائیں۔

5. جہاد کے تصور کی تفسیری حدود اور اقلیتی مسلمانوں کی ذمہ داریاں

جہاد اسلامی فکر و فلسفہ کا ایک نہایت اہم تصور ہے، مگر اس سے متعلق بہت سی غلط فہمیاں پائی جاتی ہیں۔ خاص طور پر جب بات مسلم اقلیتوں کی آتی ہے تو بعض لوگ یہ سوال اٹھاتے ہیں کہ اگر مسلمان کسی غیر مسلم معاشرے میں اقلیت ہیں تو کیا ان پر جہاد فرض ہے؟ کیا وہ اپنے ہی ملک کے خلاف جہاد کر سکتے ہیں؟ ان سوالات کے جواب کے لیے ضروری ہے کہ تفسیری ادب میں جہاد کے حکم کی نوعیت کو سمجھا جائے۔ قرآن مجید میں جہاد کے بارے میں جو آیات ہیں وہ ایک خاص تاریخی سیاق و سباق میں نازل ہوئیں۔ ابتدائی مکی دور میں جہاد کا حکم نہیں تھا بلکہ صبر و برداشت کا حکم دیا گیا تھا۔ جب مسلمانوں پر ظلم زیادہ ہو گیا تو ہجرت کا حکم ہوا اور پھر مدینہ منورہ میں پہلی مرتبہ دفاعی جہاد کی اجازت دی گئی۔ سورۃ الحج کی آیت نمبر 39 میں فرمایا گیا کہ جن لوگوں سے جنگ کی جا رہی ہے انہیں بھی جنگ کی اجازت دی جاتی ہے کیونکہ ان پر ظلم کیا گیا ہے۔[28] اس آیت کی تفسیر میں ابن ھوازن القشیریؒ نے کہا ہے کہ یہ پہلی آیت تھی جس میں مسلمانوں کو جنگ کی اجازت دی گئی اور اس سے پہلے تیرہ سال تک وہ جنگ سے منع تھے۔[29] اس سے یہ واضح ہوتا ہے کہ جہاد کسی کی خواہش یا جارحیت کا نام نہیں بلکہ یہ ظلم کے خلاف مزاحمت کا آخری راستہ ہے۔

جب مسلمان کسی معاشرے میں بطور اقلیت رہ رہے ہوں اور ان کے خلاف کوئی مسلح جارحیت نہ ہو رہی ہو تو وہاں جہاد کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ بلکہ اس صورت میں جہاد کا اصل مفہوم اپنی ذات کے خلاف جہاد یعنی تزکیہ نفس، اپنے اخلاق کو سنوارنا، تعلیم حاصل کرنا اور معاشرے میں بہتری لانے کی کوشش کرنا ہے۔ سورۃ الفرقان کی آیت نمبر 52 میں اللہ تعالیٰ نے کفار کے خلاف قرآن مجید کے ذریعے عظیم جہاد کرنے کا حکم دیا ہے۔[30] مفسرین اس آیت سے یہ نتیجہ اخذ کرتے ہیں کہ جہاد کا ایک بڑا پہلو علمی اور دعوتی جہاد ہے جس میں قلم اور زبان سے حق کو واضح کیا جاتا ہے اور باطل کی تردید کی جاتی ہے۔ یہ وہ جہاد ہے جو ہر مسلمان ہر حال میں کر سکتا ہے خواہ وہ اقلیت میں ہی کیوں نہ ہو۔ درحقیقت ایسے معاشروں میں جہاں مسلمانوں کو مسلح جدوجہد کرنے کی اجازت نہیں ہے اور نہ ہی اس کی ضرورت ہے، علمی اور دعوتی جہاد ہی ان کا اصل فریضہ ہے۔ تفسیر میں جہاد کے بارے میں ایک اور

---

[28] الحج 22 : 39۔
[29] القشیری،عبدالکریم بن ھوازن،لطائف الاشارات(مصر:الھیئۃ المصریۃ العامۃ للکتاب)، ج:2،ص:548۔
[30] الفرقان 25 : 52۔

اہم قاعدہ یہ ہے کہ جہاد کا حکم صرف اس وقت تک ہے جب تک فتنہ ختم نہ ہو جائے اور دین صرف اللہ تعالیٰ کے لیے نہ ہو جائے۔ امام ابن کثیرؒ نے سورۃ البقرۃ کی آیت نمبر 193 کی تفسیر میں لکھا ہے کہ جہاد کا اصل مقصد لوگوں کو زبردستی مسلمان کرنا نہیں بلکہ فتنہ اور ظلم کا خاتمہ کرنا ہے تاکہ لوگ اپنی مرضی سے دین قبول کر سکیں۔[31]

عصر حاضر میں جب مختلف طبقات کی طرف سے اسلام کے بارے میں مختلف غلط فہمیاں پھیلائی جا رہی ہیں تو مسلم اقلیتوں کا سب سے بڑا جہاد ان غلط فہمیوں کو دور کرنا ہے۔ انہیں چاہیے کہ وہ اپنے اخلاق و کردار سے لوگوں کو اسلام کی طرف راغب کریں۔ نیز سورۃ الانفال کی آیت نمبر 61 میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو حکم دیا ہے کہ اگر دشمن صلح کی طرف جھکے تو تم بھی صلح کی طرف جھک جاؤ۔[32] اس آیت کی تفسیر میں امام قرطبیؒ نے کہا ہے کہ صلح اور امن کی طرف راغب ہونا اسلامی تعلیمات کا لازمی حصہ ہے۔[33] اقلیتی مسلمانوں کو جہاں بھی امن قائم ہو اسے برقرار رکھنے کی کوشش کرنی چاہیے اور کسی ایسی تحریک سے دور رہنا چاہیے جو تشدد کی طرف لے جائے۔ جہاد کا ایک اور پہلو یہ ہے کہ جب مسلمان فوجی طور پر کمزور ہوں تو ان کے لیے جنگ کرنا دانش مندانہ نہیں ہے۔ امام شافعیؒ نے اسے ایک اصول کے طور پر پیش کیا ہے کہ جہاں مسلمان اپنی جان کا شدید خطرہ محسوس کریں اور لڑائی میں کامیابی کی کوئی صورت نہ ہو تو ان کے لیے صبر کرنا اور ہجرت کرنا زیادہ بہتر ہے۔ یہی صورت حال آج کی بہت سی مسلم اقلیتوں کی ہے جہاں وہ بمشکل اپنی عبادات ادا کر پاتے ہیں، ان کے پاس کوئی فوجی طاقت نہیں ہے اور نہ ہی وہ کسی جنگ میں حصہ لے سکتے ہیں۔ ان کے لیے جہاد کا مطلب ہے کہ وہ اپنی شناخت بچائیں، اپنے بچوں کو دین کی تعلیم دیں اور قانونی ذرائع سے اپنے حقوق کے لیے آواز اٹھائیں۔

6. تفسیری تناظر میں عبادات اور معاملات میں مشکلات کا حل

مسلم اقلیتوں کو اپنی روزمرہ زندگی میں بہت سے ایسے مسائل کا سامنا کرنا پڑتا ہے جن کا تعلق عبادات اور معاملات دونوں سے ہے۔ مثلاً کام کی جگہ پر نماز کے اوقات میں رخصت نہ ملنا، حلال خوراک کا نہ ہونا، سود سے بچنا، وراثت کے اسلامی قوانین کو نافذ نہ کرانا اور عدالت میں گواہی کے شرعی معیارات کا لاگو نہ ہونا۔ ان تمام مسائل کی بنیاد پر بعض لوگ ایسے ممالک میں رہنا حرام قرار دے دیتے ہیں۔ لیکن جب تفسیری ادب کا باریک بینی سے مطالعہ کیا جاتا ہے تو ایسے اصول ملتے ہیں جو ان مسائل کا حل فراہم کرتے ہیں۔ سب سے اہم قاعدہ جو مفسرین نے سورۃ البقرۃ کی آیت نمبر 185 سے اخذ کیا ہے وہ یہ ہے کہ اللہ اپنے بندوں کے لیے آسانی چاہتا ہے، سختی نہیں چاہتا۔[34] امام رازیؒ نے اس آیت کی تفسیر میں لکھا ہے کہ دین اسلام کی بنیاد ہی آسانی پر ہے اور جہاں کہیں بھی مشکل

---

[31] ابن کثیر،تفسیر القرآن العظیم ،ج:6،ص:116-
[32] الانفال 8 : 61-
[33] القرطبی،الجامع الأحکام القرآن ،ج:8،ص:39-
[34] القرطبی،الجامع الأحکام القرآن ،ج:2،ص:290-

پیش آتی ہے وہاں رخصتیں اور گنجائشیں موجود ہیں۔[35] یہ اصول اقلیتی مسلمانوں کے لیے بہت بڑی رحمت ہے۔ جیسے کسی شخص کو اگر اپنی نوکری کی وجہ سے نماز وقت پر نہ پڑھ سکے تو وہ دونوں نمازیں ملا کر پڑھ سکتا ہے۔ اگر اسے پانی نہ ملے یا پانی استعمال کرنا اس کے لیے نقصان دہ ہو تو وہ تیمم کر سکتا ہے۔ یہ چیزیں قرآن مجید کے عمومی اصولوں میں داخل ہیں۔

اضطرار کا قاعدہ بھی بڑی اہمیت کا حامل ہے، یہ سورۃ البقرۃ کی آیت نمبر 173 میں واضح طور پر بیان ہوا ہے کہ جس شخص پر مجبوری ہو جائے اس پر حرام چیز کھانے میں کوئی گناہ نہیں۔[36] امام ابن کثیرؒ نے اس آیت کی تفسیر میں لکھا ہے کہ اضطرار کا مطلب صرف بھوک اور پیاس ہی نہیں بلکہ ہر وہ مجبوری ہے جس میں جان یا عقل یا دین کو خطرہ ہو۔[37] چنانچہ اگر کسی مسلم اقلیتی ملک میں حلال ذبیحہ بالکل دستیاب نہ ہو اور وہ بھوک سے مرنے کے خطرے میں ہو تو وہ حرام جانور بھی کھا سکتا ہے لیکن صرف بقدر ضرورت۔ اسی طرح معاملات میں جب کسی کو شدید مالی مجبوری ہو اور اسے بینک سے سود پر قرض لینا پڑے تب بھی کچھ فقہاء نے اضطرار کی بنا پر اس کی اجازت دی ہے۔[38] ایک اصول عرف کا ہے جس کی قرآن مجید نے تائید کی ہے۔ سورۃ الأعراف کی آیت نمبر 199 میں اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ عفو و درگزر کو اختیار کرو اور عرف کی بات کہو اور جاہلوں سے کنارہ کشی اختیار کرو۔[39] اس آیت کی تفسیر میں مفسرین نے عرف کو شریعت کے مصادر میں شمار کیا ہے۔ جب مسلم اقلیتیں کسی غیر مسلم معاشرے میں رہ رہی ہوں تو اس معاشرے کے رائج عرف اور رواج کو جب تک وہ کسی حرام چیز کا ارتکاب نہ کریں، شریعت کی رو سے تسلیم کیا جا سکتا ہے۔[40] مثلاً بہت سے ممالک میں دستخط کرنا، معاہدے کرنا، کمپنیوں میں حصہ داری اور انشورنس کے نظام رائج ہیں۔ یہ تمام چیزیں ان معاشروں کا عرف ہیں اور ان میں شریعت کی کوئی صریح ممانعت نہیں ہے بلکہ یہ معاملات ہیں جن میں لوگوں کے درمیان باہمی رضامندی سے تعلقات قائم ہوتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ بیشتر جدید مفسرین نے ان معاملات کو جائز قرار دیا ہے جب تک کہ ان میں دھوکہ یا فریب یا سود کی کوئی صورت نہ ہو۔ شریعت میں بعض احکام ایسے ہیں جن کا نفاذ صرف اسلامی حکومت کے ذریعے ممکن ہے جیسے حدود قائم کرنا، جزیہ لینا اور بعض نکاح و طلاق کے معاملات۔ جہاں مسلمان اقلیت میں ہوں اور ان کے پاس اپنی الگ عدالت نہ ہو تو

---

[35] الرازی،مفاتیح الغیب، ج:5،ص:250۔
[36] الرازی،مفاتیح الغیب، ج:5،ص:191۔
[37] ابن کثیر،تفسیر القرآن العظیم، ج:1،ص:480۔
[38] نفس المرجع
[39] الاعراف 7 : 199۔
[40] ابن کثیر،تفسیر القرآن العظیم، ج:3،ص:530۔

انہیں ملکی قوانین کے تحت ہی اپنے معاملات طے کرنے ہوں گے۔ اس صورت میں ان پر وہ شرعی احکام لاگو نہیں ہوں گے جن کا نفاذ ان کی استطاعت سے باہر ہے۔[41]

7. تفسیری ادب میں وطن سے محبت اور شہری ذمہ داریوں کا تصور

ایک بہت عام فہم غلطی یہ پائی جاتی ہے کہ اسلام میں صرف دارالاسلام ہی مسلمانوں کا وطن ہو سکتا ہے اور باقی تمام ممالک دارالحرب ہیں جہاں مسلمانوں کی کوئی وفاداری نہیں ہونی چاہیے۔ یہ تصور بالکل غلط ہے اور تفسیری ادب اس کی تردید کرتا ہے۔ قرآن مجید میں متعدد مقامات پر انسانوں کو اپنے وطن سے محبت کرنے کی ترغیب دی گئی ہے۔ سورۃ قصص کی آیت نمبر 85 میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جس نے تم پر قرآن مجید فرض کیا وہ تمہیں واپس لے جانے والا ہے اس جگہ جہاں تم لوٹنا چاہتے ہو۔[42] اس آیت کی تفسیر میں امام ابن کثیرؒ نے کہا ہے کہ اس سے مراد مکہ مکرمہ ہے جہاں سے نبی ﷺ کو ہجرت کرنی پڑی تھی اور اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ واپس لے جانے کا وعدہ فرمایا۔[43] اس سے یہ معلوم ہوا کہ انسان کا اپنے وطن سے جذباتی لگاؤ فطری اور جائز ہے۔ دوسری جگہ سورۃ النساء کی آیت نمبر 100 میں اللہ تعالیٰ نے ہجرت کرنے والوں کے لیے بہت بڑا ثواب بتایا ہے لیکن اسی کے ساتھ فرمایا ہے کہ زمین اللہ تعالیٰ کی ہے اور تم جہاں چاہو جا سکتے ہو۔[44] مفسرین نے اس سے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ مسلمان کے لیے وطن کی کوئی ایک متعین حد نہیں ہے بلکہ جہاں وہ اپنا دین بہتر طریقے سے گزار سکے وہی اس کا وطن ہے۔ لیکن اس کا مطلب یہ نہیں کہ وہ اپنے آبائی وطن کے ساتھ کوئی تعلق نہ رکھے۔ اسی طرح سورۃ الحجرات میں مسلمانوں کو حکم دیا گیا ہے کہ اگر دو گروہ آپس میں لڑنے لگیں تو ان کے درمیان صلح کروائی جائے اور جب ایک گروہ دوسرے پر زیادتی کرے تو اس کے خلاف سب مل کر لڑو۔[45] یہ اصول اگرچہ مسلمانوں کے بارے میں ہے لیکن اس کی روح یہ ہے کہ جس معاشرے میں کوئی رہتا ہے اس کے استحکام کے لیے اسے کوشش کرنی چاہیے اور جب ناانصافی ہو تو اس کے خلاف متحد ہو کر کھڑا ہونا چاہیے۔

دورِ جدید کی قومی ریاستوں میں یہ تصور شہری ذمہ داری کہلاتا ہے کہ کوئی شہری اپنے ملک کے خلاف بغاوت نہ کرے بلکہ قانونی ذرائع سے اصلاح کی کوشش کرے۔ شہریت کا یہ تصور تفسیری ادب سے ٹکراتا نہیں بلکہ اس کی تائید کرتا ہے۔ سورۃ المائدۃ کی آیت نمبر 8 میں عدل کا جو حکم دیا گیا ہے،[46] اس کی روشنی میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ ایک مسلم شہری کو چاہیے کہ وہ اپنے

---

[41] محمد ریاض محمود و خورشید احمد ندیم، اسلام اور اقلیتیں: پاکستانی تناظر (اسلام آباد: قومی رحمۃ للعالمین وخاتم النبیین ﷺ اتھارٹی، 2025ء)، ص:99-121۔

[42] القصص 28 : 85۔

[43] ابن کثیر، تفسیر القرآن العظیم، ج:6، ص:252۔

[44] النساء 4 : 100۔

[45] ابن کثیر، تفسیر القرآن العظیم، ج:2، ص:408۔

[46] المائدۃ 5 : 8۔

ملک کے دوسرے شہریوں کے ساتھ عدل سے پیش آئے، ٹیکس ادا کرے، قوانین مانے اور ملک کی ترقی میں حصہ لے۔ مفتی محمد عبدہؒ نے "المنار" میں لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو اقوام اور قبائل میں اس لیے تقسیم کیا ہے کہ وہ ایک دوسرے کو جانیں اور تعاون کریں، نہ کہ ایک دوسرے سے لڑیں۔ یہ تعاون ہی شہریت کی بنیاد ہے۔[47] بہت سے لوگ کہتے ہیں کہ مسلمان کسی ایسے ملک کے پرچم کے نیچے نہیں لڑ سکتا جو اسلامی نہ ہو لیکن حقیقت یہ ہے کہ اسلامی تعلیمات اس کی اجازت دیتی ہیں جب تک کہ لڑائی کسی دینی جارحیت کے لیے نہ ہو۔ جب برطانیہ اور فرانس جیسی غیر مسلم حکومتوں نے پہلی اور دوسری عالمی جنگ میں مسلمانوں کو اپنی فوج میں بھرتی کیا تو علمائے کرام نے اسے درست قرار دیا تھا کیونکہ یہ ان ممالک کا دفاع تھا جہاں مسلمان رہتے تھے اور ان کی حفاظت فرض تھی۔ تفسیری اصول یہ بتاتے ہیں کہ جہاں انسان امن سے زندگی گزار رہا ہو، اسے پناہ ملی ہو اور اس کی جان و مال کی حفاظت ہو رہی ہو تو اس پر اس معاشرے کی حفاظت کرنا لازم ہے۔

مسلم اقلیتوں کو چاہیے کہ وہ اپنے ملک کے دفاع میں پیش پیش رہیں اور اس کی خوش حالی کے لیے دن رات ایک کریں۔ اس سے ان کی شہریت ثابت ہو گی اور ان کے بارے میں یہ غلط فہمی بھی دور ہو گی کہ وہ کسی بیرونی ایجنڈے پر کام کر رہے ہیں۔ وطن سے محبت ایمان کا حصہ ہے اور اسے ثابت کرنے کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ مسلمان اپنے ملک کے لیے مفید شہری بنیں، معاشی طور پر ترقی کریں، تعلیم حاصل کریں اور معاشرتی فلاح کے کاموں میں حصہ لیں۔ سورۃ سبأ کی آیت نمبر 15 میں اہل سبا کو ان کی نعمتوں کے بارے میں بتایا گیا ہے اور فرمایا گیا کہ اپنے رب کی نعمتوں سے کھاؤ پیو اور اس کی زمین میں فساد نہ پھیلاؤ۔[48] اس سے یہ سبق ملتا ہے کہ جس سرزمین پر انسان رہتا ہے وہ اسے اللہ تعالیٰ کی طرف سے امانت میں دی گئی ہے اور اسے اس میں امانت داری کے ساتھ رہنا چاہیے۔

8. تنوع اور کثرت میں امت واحدہ کا تفسیری تصور

اسلام نے مسلمانوں کو ایک امت واحدہ قرار دیا ہے لیکن اس کا مطلب یہ نہیں کہ وہ سب ایک ہی جگہ رہیں یا ان کی کوئی سیاسی وحدت ہو۔ سورۃ الأنبیاء کی آیت نمبر 92 میں اللہ فرماتا ہے کہ یہ تمہاری امت ایک ہی امت ہے اور میں تمہارا رب ہوں پس تم میری عبادت کرو۔[49] اس آیت کی تفسیر میں علامہ آلوسیؒ نے کہا ہے کہ امت واحدہ سے مراد عقیدہ اور مقصد کی وحدت ہے نہ کہ جغرافیائی اور لسانی وحدت۔ اس لیے تمام مسلمان جہاں بھی رہیں، مختلف ممالک میں بٹے ہوں، وہ ایک دوسرے سے بھائی چارے

---

[47] رشید رضا،المنار، ج:6،ص:226-

[48] سبأ 35 : 15-

[49] الأنبیاء 21 :92-

کے رشتے میں بندھے ہیں۔ یہ رشتہ ہی ان کی بنیادی شناخت ہے۔ اس رشتے کی بدولت وہ ایک دوسرے کے دکھ میں شریک ہوتے ہیں، ایک دوسرے کی مدد کرتے ہیں اور ایک دوسرے کے لیے دعائیں کرتے ہیں۔ لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ وہ جس ملک میں رہ رہے ہیں وہاں کی دوسری قوموں کے ساتھ تعلقات قائم نہ کریں۔ قرآن مجید نے انسانوں کے درمیان باہمی تعاون اور اخلاقی تعلقات کی جتنی تاکید کی ہے وہ کسی خاص گروہ کے ساتھ مخصوص نہیں۔ سورۃ الحجرات کی آیت نمبر 10 میں مسلمانوں کو آپس میں بھائی قرار دیا گیا ہے،[50] جبکہ سورۃ الممتحنہ کی آیت نمبر 8 میں غیر مسلموں کے ساتھ عدل کا حکم دیا گیا ہے۔[51] اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلامی اخوت کے دائرے میں تمام مسلمان داخل ہیں لیکن اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ دوسرے انسانوں کے ساتھ کوئی تعلق نہ رکھا جائے۔

اقلیتی مسلمان جہاں رہتے ہیں ان کا دوسرے مذاہب کے لوگوں کے ساتھ روزمرہ کا معاملہ ہوتا ہے، وہ ایک ہی اسکول میں پڑھتے ہیں، ایک ہی ہسپتال میں علاج کرواتے ہیں اور ایک ہی مارکیٹ میں خریداری کرتے ہیں۔ ان تمام معاملات میں انہیں عدل اور احسان کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑنا چاہیے۔ تفسیری ادب سے ایک اور اہم نکتہ یہ ملتا ہے کہ مسلمانوں کا آپس میں اتحاد کا حکم ان کے درمیان کسی سیاسی ریاست کے قیام کا حکم نہیں ہے بلکہ یہ اخلاقی اور روحانی اتحاد ہے۔ مسلمانوں کے درمیان بھائی چارے کا تقاضا یہ ہے کہ وہ ایک دوسرے خیانت نہ کریں،[52] ایک دوسرے کے ساتھ حسد نہ کریں[53] اور ایک دوسرے کے عیوب کو نہ چھیڑیں۔[54] یہ وہ چیزیں ہیں جو ہر معاشرے میں ہر وقت لاگو ہوسکتی ہیں خواہ مسلمان کسی بھی شکل میں رہ رہے ہوں۔

جب اقلیتی مسلمان اپنے ملک کے مختلف حصوں میں رہتے ہیں تو ان کے لیے ضروری ہے کہ وہ آپس میں مل جل کر رہیں، ایک دوسرے کی مدد کریں اور اپنی اجتماعی شناخت کو برقرار رکھیں۔ لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ وہ اپنے ملک کی دوسری قوموں سے الگ تھلگ ہو کر رہیں۔ اس کے برعکس انہیں چاہیے کہ وہ دوسری قوموں کے ساتھ میل جول بڑھائیں، ان کی ثقافت کو سمجھیں اور اپنے بارے میں ان کی غلط فہمیوں کو دور کریں۔ قرآن مجید نے اس تنوع کو اللہ کی نشانی قرار دیا ہے جیسا کہ سورۃ الروم کی آیت نمبر 22 میں فرمایا گیا کہ آسمانوں اور زمین کی پیدائش اور تمہاری زبانوں اور رنگوں کا اختلاف بھی اس کی نشانیوں میں سے ہے۔[55] اس

---

[50] الحجرات 49 : 10۔
[51] الممتحنة 60 : 8۔
[52] الأنفال 8 :27۔
[53] النساء 4 : 54۔
[54] الحجرات 49 : 12۔
[55] الروم 30 :22۔

لیے تنوع کو برداشت کرنا اور اس میں اللہ تعالیٰ کی حکمت دیکھنا ایک مسلمان کا کام ہے۔[56] جب دنیا بھر میں مسلم اقلیتیں اپنی انفرادیت کو برقرار رکھتے ہوئے بڑے معاشروں کا حصہ بن جاتی ہیں تو وہ ایک اچھی مثال پیش کرتی ہیں کہ مختلف عقائد کے لوگ کیسے امن کے ساتھ رہ سکتے ہیں۔ یہی وہ پیغام ہے جو آج کی دنیا کو سب سے زیادہ درکار ہے۔

9. خلاصہ بحث

تفسیری ادب میں مسلم اقلیتوں کے حقوق کا فقہی مطالعہ عصر حاضر میں بڑی اہمیت اختیار کر چکا ہے۔ اگرچہ کلاسیکی مفسرین کے سامنے اقلیت کا وہ جدید تصور موجود نہیں تھا جو آج کی عالمی سیاسی و سماجی صورت حال میں پایا جاتا ہے، تاہم قرآن مجید سے مستنبط کیے گئے ان کے عمومی اصول آج بھی مسلم اقلیتوں کے مسائل کے حل میں بنیادی راہ نمائی فراہم کرتے ہیں۔ قرآن مجید کا بنیادی پیغام عدل، مساوات اور آسانی پر مبنی ہے، جس سے یہ اصول اخذ کیا جا سکتا ہے کہ مختلف معاشروں میں رہنے والے مسلمانوں کے لیے طرز زندگی میں توازن، قانون کی پاس داری اور باہمی احترام لازمی ہے۔ موجودہ دور میں مسلم اقلیتیں نہ کلاسیکی فقہی تقسیم کے مطابق دارالحرب کے تحت آتی ہیں اور نہ ہی ذمی کے تصور میں سماتی ہیں، بلکہ وہ ایسے شہری ہیں جو اپنے ملکوں کے قانونی نظام کا حصہ ہیں اور جن کے اپنے واضح حقوق و فرائض موجود ہیں۔ اس تناظر میں ان پر اپنے ممالک کے قوانین کی پابندی، اجتماعی نظم کا احترام اور سماجی انصاف کے اصولوں کی پاس داری لازم قرار پاتی ہے۔ تفسیری ادب میں بھی اس امر کی طرف راہ نمائی ملتی ہے کہ وطن سے وابستگی، شہری ذمہ داریوں کا شعور اور معاشرتی ہم آہنگی اسلامی تعلیمات کے بنیادی تقاضوں میں شامل ہیں۔ اسی طرح یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ مسلم اقلیتوں کو اپنے معاشروں میں امن، رواداری اور خیر خواہی کے ساتھ زندگی گزارنی چاہیے اور اپنے وطن کی سلامتی اور ترقی میں مثبت کردار ادا کرنا چاہیے۔ مجموعی طور پر تفسیری ادب ایک ایسا مربوط فکری و فقہی نظام پیش کرتا ہے جس کی روشنی میں مسلم اقلیتیں اپنی دینی شناخت کو محفوظ رکھتے ہوئے جدید معاشروں میں مؤثر اور تعمیری کردار ادا کر سکتی ہیں، بشرطیکہ وہ اعتدال پر مبنی تفسیری اصولوں کو اختیار کریں اور انتہا پسندانہ تعبیرات سے اجتناب کریں۔

[56] الطنطاوی،محمد سید،التفسیر الوسیط للقرآن الکریم(القاھرۃ :دار نھضۃ للطباعۃ والنشر التوزیع،1998ء)،ج:11،ص:73